قرآن کریم میں تمام شرائع کی ابدی صداقتیں پائی جاتی ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۵؍دسمبر ۱۹۸۰ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔(بنی اسرآءیل:۱۰،۱۱)

ترجمہ ان دو آیات کا یہ ہے کہ یہ قرآن کریم یقیناً اس راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو اقوم ہے اور مومنوں کو جو مناسبِ حال کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر مقدر ہے اور (قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

سیدھی راہ کو اختیار کرنا انسانی فطرت میں ہے۔ سیدھا راستہ وہ ہے جو منزلِ مقصود تک سب سے کم فاصلہ طے کرنے کے بعد پہنچا دیتا ہے۔ جو دوست زمیندار ہیں یا جن کو لوگوں کی زمینوں کے کناروں پر یا پگڈنڈیوں پر پھرنے کا اتفاق ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ فطرت کا تقاضا پورا کرتے ہوئے بہت سے لوگ دوسروں کے کھیتوں کو پاؤں نیچے روندنے کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور اپنے راستے کو سیدھا کرنے کے لئے کھیتی میں پگڈنڈی بنا لیتے ہیں۔ بڑی کثرت سے یہ آپ کو نظر آتا ہے کیونکہ پگڈنڈی پر چل کر وہ قریب ترین فاصلہ طے کرنے کے بعد اپنے

مقصود کو، منزلِ مقصود کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان آیات میں جو مضامین بیان ہوئے ہیں اس میں سے اس وقت دو کو لوں گا۔

دوست جانتے ہیں کہ جب میں سفر پر روانہ ہوا اس وقت بھی بیماری کی حالت میں روانہ ہوتا تھا۔ گردے میں بڑی سخت انفیکشن (Infection) ہوئی اور یہ ۲۵؍ مارچ کی بات ہے اور اپریل مئی جون تین مہینے کے بعد ۲۴ جون کو جب میں سفر پہ روانہ ہوا اور میں نے ربوہ چھوڑا تو اس وقت بھی ڈاکٹر کہتے تھے کہ دس فیصد بیماری ابھی باقی ہے اور دوا جو ہے اس کا استعمال جاری رہنا چاہیئے۔ چنانچہ مزید قریباً دواڑھائی ماہ میں نے وہ دوائی کھائی جو خود دوائی بھی کمزور کرنے والی، اس کے بعد میں نے چھوڑ دی۔ پھر یہاں جب آئے تو ضروری ذمے داریاں انتظار کر رہی تھیں، انصار اللہ کا اجتماع تھا، پھر خدام کا اجتماع تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ گردے میں انفیکشن پھر زیادہ ہوگئی ہے۔ یہاں ٹیسٹ کروایا تو کافی نکلی لیکن میں نے یہاں کے ڈاکٹروں کو کہا کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران میں آپ کی دوائی اس لئے نہیں کھاؤں گا کہ زیادہ کمزوری ہوجائے گی اور میں ذمہ داری کو ادا کرنا چاہتا ہوں اور بیماری کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ آج اجتماعات کے بعد میں اسلام آباد گیا اور وہاں ڈاکٹر محمود الحسن صاحب نے معائنہ کیا اور ٹیسٹ لئے اور گردے میں سوزش کی تکلیف نکلی تو انہوں نے ایک ہی وقت میں دو دوائیں شروع کروادیں مجھے، اور دونوں ہی کمزور کرنے والی قریباً چھ دن ہوگئے ہیں مجھے وہ کھاتے ہوئے اور کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس بیماری سے نجات دے اور صحت کے ساتھ مجھے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق عطا کرے۔ اس وقت میں دونوں آیات کے مضامین نہیں بیان کروں گا صرف دو باتیں میں نے ان دو آیات سے اٹھائی ہیں۔

ایک یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جس راستہ کی طرف ہمارا پیارا یہ قرآن، قرآنِ کریم جو ہے وہ راہنمائی کرتا ہے وہ اقوم ہے۔ عربی زبان میں اقوم کے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں جو معانی چسپاں ہوتے ہیں یا جن معانی کے مطابق ہم تفسیر کر سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔ سب سے زیادہ درست اور سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرنے والی ہدایت جس میں ذرا بھی کجی نہیں۔ یہ جو سیدھی راہیں ہیں یہ نسبتی طور پر بھی سیدھی ہیں، روحانی عالم میں اور مستقل حیثیت میں بھی سیدھی ہیں۔ مثلاً جو

شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اس میں ایک حکم یہ تھا کہ انتقام لو، ان کے حالات کے مطابق یہ سیدھا راستہ تھا لیکن کامل ہدایت کے نقطۂ نگاہ سے یہ سیدھا راستہ نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ ہدایت نازل ہوئی، تورات کو ہی وہ مانتے تھے لیکن تورات کے ماننے والے جو انبیاء آئے وہ حالات کے بدلنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کی وحی سے، خدا تعالیٰ کی وحی کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے، تورات میں کچھ تبدیلیاں چھوٹی چھوٹی، بڑی بڑی، کرتے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی نازل ہوئی کہ انتقام نہیں لینا، معاف کرو، انسانی فطرت کے لحاظ سے یہ بھی پوری طرح سیدھی راہ نہیں تھی لیکن بنی اسرائیل کی اس وقت کی کیفیتِ روحانی کے لحاظ سے یہ سیدھی راہ تھی تو ایک نسبتی سیدھا پن ہے، استقامت ہے، صراط مستقیم کا ہونا ہے اور ایک حقیقی طور پر اور بغیر نسبت کے کامل اور مکمل طور پر راہ کا سیدھا ہونا ہے۔ قرآن کریم کے لئے اسی واسطے اقوم کا لفظ بولا گیا ہے۔ پچھلی ساری جو ہدایتیں آئی ہیں وہ بوجہ ایک قوم کو مخاطب کرنے اور بوجہ اس کے کہ ان کا تعلق صرف ایک محدود زمانہ سے تھا کامل اور مکمل نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ اور قوم قوم کے حالات میں جو فرق پایا جاتا تھا اور ان کے معاشرے میں، ان کے روحانی ارتقاء کے لحاظ سے ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو وحی نازل کی وہ ایک کامل وحی نہیں تھی اس معنی میں جس معنی میں قرآن کریم کی وحی ایک کامل اور مکمل وحی ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم جو ہے وہ اقوم ہے یعنی سب سے سیدھی راہ، ہدایت کی سب سے سیدھی راہ جو ہر قسم کی کجی سے پاک ہے، وہ کجی جو زمانہ پیدا کرتا ہے، وہ کجی جو ملک ملک کے حالات پیدا کرتے رہے ان سب سے پاک ہو کر نوعِ انسان کو خواہ بعد میں قیامت تک آنے والے کسی زمانہ سے ان کا تعلق ہو یا کسی ملک سے ان کا تعلق ہو سب کے لئے ایک سیدھی راہ معین کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کے پیار تک لے جانے والی اور اس کی رحمتوں کے حصول کے قابل بنا دینے والی ہے، اگر اللہ چاہے۔

اقوم کے لفظ میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ جیسا کہ سیدھی راہ کی تفصیل کے بیان سے آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ قیامت تک قائم رہنے والی سیدھی راہ جو ہے قرآن کریم اس کی طرف ہدایت کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک ہر آنے والی نسل جو نئے

مسائل لے کر پیدا ہوگی ان کا حل اس میں موجود ہے۔ (یہ بڑا اہم نکتہ ہے) ہر نسل انسانی نئے مسائل لے کر پیدا ہوتی ہے ہر نسل انسانی کے مسائل کو حل کرنے کی اور اس طور پر ان کی فلاح اور بہبود کا سامان کرنے کی طاقت قرآن کریم میں موجود ہے اور یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ اپنے سفر میں میں اس دنیا کو جو ابھی تک اسلام کے نور سے منور نہیں اس بات کا قائل کر دیتا ہوں کہ جو تمہارے مسائل ہیں اور جنہیں تم حل نہیں کر سکے انہیں قرآن کریم حل کرتا ہے۔

تیسرے معنی اقوم کے یہ ہیں (سب معانی کا آپس میں تعلق ہے) کہ پہلی کتب سماویہ میں، پہلی شریعتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیں، ان کی دائمی صداقتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں ایک لاکھ بیس یا چوبیس ہزار انبیاء حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے تھے ان میں خدا جانے کتنے صاحبِ شریعت ہوں گے۔ قرآن کریم نے کہا ہے ہم نے بعض کا ذکر کیا بعض کا ہم نے ذکر نہیں کیا لیکن ہر قوم کی طرف ہم نے نذیر بھیجا۔ قوموں کے نام مٹ گئے۔ ان کی طرف آنے والے انبیاء کے نام یاد نہیں رہے۔ ان شریعتوں کو ہماری تاریخ بھول گئی لیکن ہر شریعت میں جو ابدی صداقتیں تھیں ان کو قرآن کریم جمع کرنے والا ہے۔ اس واسطے اس کی راہ سیدھی راہ بھی ہے، قیامت تک انسان کے مسائل حل کرنے والی طاقت رکھنے والی راہ بھی ہے اور ایک کامل راہ بھی ہے۔ جس طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انسانِ کامل ہیں۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت شریعتِ کاملہ ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ رہبری میں بھی کامل ہے۔ یہ فلسفہ نہیں ہے، اس کی تفصیل میں جائیں تو یہ معنی ہیں کہ دلائلِ عقلیہ کے لحاظ سے اتنی زبردست یہ کتاب ہے کہ کسی عقلمند کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ عقلاً اس پر اعتراض کر سکے، اگر ناسمجھی سے کر دیا جائے تو ہم اسے سمجھا سکتے ہیں کہ تمہارا اعتراض غلط ہے، اسلام کی تعلیم صحیح ہے۔ تو جو اس کو دلائل عقلیہ عطا ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بھی کامل ہیں۔ دوسرے برکاتِ سماویہ کے لحاظ سے یہ کامل کتاب ہے۔ یہ ہدایت جو ہے یہ اقوم ہے دلائل عقلیہ کے لحاظ سے اور برکاتِ سماویہ کے لحاظ سے دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے جب سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے شیطان نے اپنے گروہ کے ذریعے اس شریعت پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے اور جتنے بھی اعتراض ہوئے خدا تعالیٰ اپنے

پیارے بندوں کو کھڑا کرتا رہا جو ان کے جواب دیتے رہے اور اس زمانہ میں حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ اور آپ کی جماعت کے اوپر یہ ذمے داری ڈالی گئی ہے کہ عقل کے میدان میں ہر اعتراض کا جواب دو۔ جواب ہے موجود۔ کہاں سے حاصل کرو؟ دعاؤں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے فضل سے جواب حاصل کرو اور کئی دورے میں نے کئے ہیں۔ پہلی دفعہ بھی اعتراض سنا تو اسی وقت خدا تعالیٰ نے اس کا ایسا جواب بتایا کہ بعض دفعہ چہرے زرد ہوگئے بعض دفعہ زبانیں خاموش ہوگئیں۔ بہرحال یہ ایک زبردست انعام ہے جو امتِ محمدیہ کو دیا گیا، دلائلِ عقلیہ اور برکاتِ سماویہ۔ دنیا کے ہر مذہب، ہر ازم پر غالب آئے گی یہ امت ایسے لوگ اس میں پیدا ہوتے رہیں گے۔

چوتھا پہلو اقوم کے معانی کا یہ ہے کہ یہ شریعتِ کاملہ انسانی فطرت اور سرشت سے بالکل مطابقت رکھتی ہے۔ ایک کامل دائرہ کی طرح بنی آدم کے تمام قویٰ پر محیط ہے۔ کامل راہنمائی ہے۔ کوئی ایسا پہلو اس نے نہیں چھوڑا جس کی کامل نشوونما کے سامان اس میں نہ پیدا کئے گئے ہوں۔ اس کو ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ جن کمالات کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے ان تمام کمالات کے حصول کی راہ اس کو دکھلا دینا یہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے اس آیت میں کہ قرآن کریم میں یہ طاقت ہے کہ ہر پہلو انسانی فطرت کا جو ہے ہر قوتِ استعداد اور صلاحیت جو اس کو دی گئی ہے، اس کی کامل نشوونما کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اس طرف قرآن کریم ہدایت دیتا ہے اور وہ راہیں اس کے لئے میسر اور آسان کر دی ہیں جن کے حصول کے لئے اس کی فطرت میں استعداد رکھی گئی ہے۔

قرآن کریم نے جو ہدایت انسان کے ہاتھ میں دی، یہ جو شریعت ہے یہ اقوم ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر عظیم ہدایت کے نزول کے بعد اگر انسان اس پر ایمان لائے اور اپنے فکر اور عمل کو اس کے سانچہ میں ڈھالے اور اعمالِ صالحہ بجا لائے تو اس کو اتنا اجر ملے گا جو پہلے کسی کو نہیں مل سکتا تھا۔ اَجْرًا كَبِيْرًا تیار کیا گیا ہے اور یہ جو اجر ہے اس کا تعلق صرف اِس زندگی سے نہیں اس زندگی سے بھی ہے۔ انسان نے دو جگہ غلطی کھائی۔ اُس کا قدم دو طرف پھسلا۔ بعض نے کہا اس زندگی میں اجر نہیں ملتا۔ جنت ایک ہے مرنے کے بعد ملے گی۔

قرآن کریم نے کہا تھا کہ جنتیں دو ہیں اس دنیا میں بھی تم جنت میں جا سکتے ہو، جنت کو حاصل کر سکتے ہو اور مرنے کے بعد بھی جنت میں جا سکتے ہو، اس کے لئے تم سعی کرو، مجاہدہ کرو، جہاد کرو (حقیقی معنی میں) ایسے اعمال کرو، اتنی دعائیں کرو کہ تمہارے ان اعمال کو اللہ قبول کر لے۔ مقبول عمل کی تمہیں توفیق ملے اور ہر دو جنتوں کے تم وارث بن جاؤ۔ تو اَجْرًا كَبِيْرًا جو ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ اس دنیا میں اجر اور مرنے کے بعد جنت، اس دنیا کی جنت اور مرنے کے بعد کی جنت۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی کی طرف توجہ نہیں کرتے بڑی کمزوری ان کے دل اور دماغ اور روح میں یہ ہوتی ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ جب آخرت پر ایمان نہ لائے اور خدا تعالیٰ کے محاسبہ کو بھول گئے اور اس سے غافل ہو گئے اور سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد محاسبہ نہیں کرے گا اور کوئی جزا سزا نہیں اور نیک اعمال کے لئے کوئی جنت نہیں اور خدا تعالیٰ کا غضب انسان پہ بھڑک نہیں سکتا کیونکہ ہے ہی نہیں اخروی زندگی، انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر تم نے اس اقوم ہدایت کے مطابق زندگی نہ گزاری تو اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا جس طرح اس پر عمل کرنے والوں اور مقبول اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کے لئے اجرِ کبیر ہے اسی طرح جو اس پر عمل نہیں کرتے ان کے لئے ایسا دردناک عذاب ہے کہ جسے سوچ کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور اجرِ کبیر کا ہمیں وارث بنائے۔ ان ہر دو جنتوں میں، اس دنیا کی جنت میں بھی اور مرنے کے بعد جو جنت ہے اس میں بھی۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍مارچ ۱۹۸۱ء صفحہ ۲ تا ۴)

۞ ۞ ۞